علمی مضامین سلسلہ نمبر ۱۱

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جو تا حال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

سرمایہ ختم کیا جائے یا بخل

﴿ حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ ﴾

✿ ✿ ✿

عمل اور رُوح کا رابطہ، فناء میں بقاء، ماہرینِ رُوحانیت کا فیصلہ :

دو کلمے ہیں سبحان اللہ والحمد للہ زبان نے حرکت کی اور یہ کلمے سنے گئے حرکت ختم ہوگئی آواز بھی ختم ہوگئی مگر کیا یہ الفاظ بھی ختم ہوگئے جو زبان سے صادر ہوئے تھے ؟ پوری دُنیا ہمیشہ اِسی فریب میں مبتلا رہی کہ یہ الفاظ ختم ہوگئے، فلاسفہ اور منطقی حضرات اپنی چمکتی ہوئی دلیلوں سے یہی ثابت کرتے رہے کہ الفاظ اَعراض ہیں جن کی اپنی کوئی ہستی نہیں ہوتی کسی دُوسری چیز کے سہارے اُن کا نمائشی وجود ہوتا ہے جو آناً فاناً ختم ہو جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَآنِ مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ[۱] سبحان اللہ اور اَلحمد للہ اُس تمام فضا کو پُر کر دیتے ہیں جو آسمان اور زمین کے بیچ میں ہے، یہ ایک ایسی ہستی

[۱] مشکوۃ شریف کتاب الطھارۃ رقم الحدیث ۲۸۱

کا اِعلامیہ تھا جو کائنات کا حقیقت شناس ہے اور ہم اُس کو رسولِ برحق مانتے ہیں مگر ہماری فلسفہ زدّہ شکی طبیعت اِس اِرشاد کی تاویل وتوجیہہ کرتی رہی اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ یہ حدیث پڑھتے ہوئے ہمیں جھجک ہوئی کہ محققینِ فلسفہ وسائنس ہمیں اَوہام پرست کہیں گے۔(معاذ اللہ)

بیسویں صدی کے سائنس دانوں کو خدا ہدایت نصیب کرے اُنہوں نے خود اپنے اِماموں اور پرانے اُستادوں ''فلاسفہ قدیم'' کی تردید کی، سات سمندر پار واشنگٹن امریکہ سے ایک شخص ریڈیو پر بولتا ہے دُنیا کے ہر گوشے سے اُس کے الفاظ سن لیے جاتے ہیں، کیا بولنے والے کے الفاظ ختم ہوگئے تھے ؟ فنا ہوگئے تھے ؟ ؟ اگر فنا ہوگئے تھے تو یہ فضاء اِن الفاظ سے کیسے بھر گئی ! ! یا بجلی کی لہروں نے اِن الفاظ کو دُنیا کے ہر گوشہ میں کس طرح پہنچا دیا اگر یہ ختم اور فنا ہوگئے تھے ! ! !

تقریر کرنے والے یا بولنے والے کے قریب آپ نے چھوٹا سا آلہ رکھ دیا، آپ کی تمام تقریر اور تمام گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے تقریر کرنے والے کی وفات ہوگئی مگر اُس کی تقریر کا یہ ریکارڈ موجود ہے جب چاہیں آپ سن سکتے ہیں، کیا عجب ہے اِس طرح کی کوئی قوت قدرت نے خود ہماری آنکھ ناک اور ہماری جلد اور بدن کے حصہ میں رکھ دی ہو اور نہ رکھ دی ہوتی تو ہم باہر بھی اِس کا اِدراک کیسے کر سکتے جبکہ ہم میں اِس کیفیت کا شعور ہی نہ ہوتا، اِس لیے ضروری ہے کہ ہم میں یہ کیفیت ہو پس جب ہم میدانِ حشر میں اور محشر کی عدالت میں اپنے کسی قول یا فعل سے اِنکار کریں تو ممکن ہے کہ ہمارے اَعضاء کا یہ مخفی ریکارڈ دفعۃً بجنے لگے اور ہمارا پول کھول دے کَمَا یُشِیْرُ اِلَیْہِ قَوْلُہٗ تَعَالٰی ﴿ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ﴾ (سُورۂ حمٓ سجدہ : ۲۲)

اور ملاحظہ فرمایئے کسی شرارت پسند بدزبان نے یا کسی نیک اور سنجیدہ بزرگ نے غصہ سے بیتاب ہوکر کسی کو گالی دے دی پھر زبان رُک گئی الفاظ ختم ہوگئے فضا میں خاموشی چھا گئی مگر کیا گالی کے الفاظ کی تاثیر بھی ختم ہوگئی۔ایک شاعر نے اپنی عربی زبان میں کہا تھا :

جَرَاحَاتُ السِّنَّانِ لَهَا الْتِيَامُ وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

'' نیزے کے زخم بھر جاتے ہیں مگر وہ زخم نہیں بھرتا جو زبان نے لگایا ہو ''

فنا میں بقاء جس کی چند مثالیں پہلے گزریں، صرف زبان کے فعل اور زبان کی حرکت تک ہے ؟ یا اِنسان کے ہر فعل کی یہی خاصیت ہے کہ بظاہر ختم ہو جاتا ہے مگر واقعہ اور حقیقت کے لحاظ سے کبھی ختم نہیں ہوتا ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ اِتنا تو ہمیں معلوم ہے یعنی ہمارے مشاہدہ کی بات ہے کہ جب تک اِنسان کا سانس باقی ہے عمل کی تاثیر ختم نہیں ہوتی۔

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ فردوسی نے جب سلطان محمود غزنوی کی فرمائش کے بموجب ساٹھ ہزار شعر کا ''شاہنامہ'' لکھ کر پیش کر دیا تو اوّل تو اپنی قرارداد کے بموجب اِنعام دینے میں محمود غزنوی کو تامل ہوا، بالآخر جب یہ طے کر لیا کہ جو اِنعام فی شعر ایک دینار طے ہوا تھا وہ اَدا کرنا ہے تو اِنعام کی رقم فردوسی کے مکان کی طرف چل رہی تھی اور فردوسی زندگی کے سانس پورے کر کے قبرستان جا رہا تھا اللہ بس باقی ہوس۔ مطلب یہ کہ فردوسی نے جو فعل کیا تھا اُس کی تاثیر نہ صرف اُس کی زندگی کے آخری سانس تک باقی رہی بلکہ اُس کی وفات کے بعد بھی باقی رہی اور کہہ سکتے ہو کہ اِتنی تاثیر آج تک بھی باقی ہے کہ ہر صاحبِ نظر کی نظر میں فردوسی قابلِ اِحترام ہے اور سلطان محمود پر اِعتراض کیا جاتا ہے کہ اُس نے وعدہ پورا کرنے میں پس وپیش کیوں کیا ؟

اچھا جب ہم نے کہا کہ اِنسان ختم ہی نہیں ہوتا، موت فنا نہیں ہے بلکہ اِنتقال ہے ایک عالَم سے دُوسرے عالَم کی طرف تو کیا درست ہوگا کہ ''عملِ انسان'' کو ختم مان لیا جائے اور اِسے منتقل شدہ نہ مانا جائے جس کے اثرات یہاں بھی رہیں اور وہاں بھی ہوں۔ ہاتفِ غیبی وحی کے ذریعہ انسان کو یہی تنبیہ کرتا رہتا ہے اور یہی آگاہی دیتا رہتا ہے ''غافل جس طرح موت سے تیری فنا نہیں ہے، تیرے عمل کو بھی فنا نہیں ہے''۔

یہاں ہم اُن کو نہیں مانیں گے جن کو اِنسانی ترقی اور اِنسانی تنزل کا فرق بھی معلوم نہیں ہے، جن کی ترقی کا اُلٹا اَثر یہ ہے کہ نوعِ انسان دولتِ اِطمینان سے محروم ہے اور جیسے جیسے ترقی کی رفتار تیز ہو رہی ہے بے اِطمینانی اور آپس کی بے اعتمادی بڑھ رہی ہے، خوف و ہراس کی وباء پھیل رہی ہے اِنسان کو اِنسان سے نفرت ہو رہی ہے اور جذباتِ عداوت میں بحران پیدا ہو رہا ہے دعوی ہے دانشمندی

اور ہمہ دانی کا مگر دانشوری یہ ہے کہ خود اپنی خبر نہیں کہ وہ کیا ہیں۔

باہمہ ذوقِ آگہی ، ہائے رے پستیِ بشر
سارے جہاں کا جائزہ ، اپنے جہاں سے بے خبر
(جگر مرادآبادی)

ایک صاحب فرماتے ہیں اور صحیح فرماتے ہیں :

نور و نار بھی شامل ہے ، سوز و ساز بھی داخل ہے
جانے کیا کیا ترکیبیں ہیں اَجزائے اِنسانی میں
یہ کھٹکا سا ہے کیا ، آخر جس کے سہارے جیتا ہوں
حالِ دُنیا معلوم ہو کیا ، جب حالِ دل معلوم نہیں
(گوپی ناتھ امن)

ایک دانشمند کے خیال میں دانشوری یہی ہے کہ نادانی کا اِعتراف کیا جائے۔

تا بدانجا رسید دانش من کہ بدانم ہمی کہ نادانم
(ابوشکور بلخی)

یہاں ہم صرف اُن کی بات مانیں گے جن کے متعلق دُنیا کے دانشور اور دانشمند مانتے ہیں کہ قدرت نے اُن کو پیدا ہی اِس لیے کیا تھا کہ وہ اِنسان کو آگاہ کریں کہ اِنسانیت کیا ہے ؟ آدمیت کسے کہتے ہیں، اُس کا کیا مقصد ہے اور وہ کیا فرائض ہیں جو اُس پر عائد ہوتے ہیں ؟ دُنیا میں ہر فن کے ماہر ہوتے ہیں اُس فن سے اُن کو دلچسپی ہوتی ہے اور اُن کا نشو ونما اِبتداء سے ایسا ہوتا ہے جو اُس فن کے مناسب ہوتا ہے۔ اِنسانیت کی تشخیص، اِنسانیت کا بناؤ سنوار یہ بھی ایک فن ہے، ہر ملک اور ہر قوم میں اِس کے ماہر گزرے ہیں، اُنہوں نے اِنسان کو پہچانا، اِنسانیت کو پہچانا، اُس کی خوبیوں اور خرابیوں کو معلوم کیا، خوبیوں کو بڑھانے اور خرابیوں کو دُور کرنے کی ترکیبیں بتائیں، نسخے اِیجاد کیے، مذہب کی زبان میں اُن کو ''نبی'' کہتے ہیں، ہم اُن سب کا اِحترام کرتے ہیں۔

یہ مسئلہ ہم اُن سے دریافت کریں گے کہ عمل کا تعلق عمل کرنے والے سے کیا ہوتا ہے، وہ ختم ہونے والی چیز ہے یا پتھر کی لکیر ہے جو جوہر اِنسان پر کندہ ہو جاتی ہے، کیا عمل کا بھی ایک عالَم ہے اور جس طرح ہمارے الفاظ فضاء میں پھیلے ہوئے ہیں اور اپنا وجود رکھتے ہیں یہ عمل بھی اپنی خصوصیات اور تاثرات کے ساتھ اپنا وجود رکھتے ہیں ؟ رُوحانیت کے ماہرین اور شرافت واِنسانیت کے اُن فنکاروں نے جن کو ''نبی'' کہا جاتا ہے بالاتفاق ایک ہی بات بتائی تھی مگر اُن کی بتائی ہوئی باتیں لوگوں کو یاد نہیں رہیں کیونکہ اُنہوں نے اُن کو اپنے زمانہ میں لکھوایا نہیں تھا اور اگر کسی نے کچھ لکھوا دیا تھا تو وہ گم ہو گیا یا جس زبان میں لکھوایا ہوگا وہ زبان محفوظ نہیں رہی ہاں ایک چیز بالکل محفوظ ہے اُس کو اُسی وقت لکھوا دیا گیا تھا جب اُس کا نزول ہوا تھا لکھوانے کے ساتھ یاد بھی کرا دیا تھا چنانچہ وہ اِبتداء سے لے کر آج تک صحیفوں اور تحریروں میں بھی محفوظ چلا آتا ہے اور لاکھوں کروڑوں اِنسانوں کے سینوں میں بھی اُسی طرح محفوظ ہے، یہ قرآنِ حکیم ہے جو صرف جنابِ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا مجموعہ نہیں بلکہ اُن تمام مقدس اِنسانوں کی تعلیمات کا محفوظ مجموعہ ہے جو رُوحانیت کے ماہر اور اِنسانیت کے معلم بن کر دُنیا میں آئے، وہ دُنیا سے الگ رہتے ہوئے دُنیا والوں کی اِصلاح کرتے رہے، نوعِ اِنسان کی درستی اور اِنسانیت کے سدھار میں اُنہوں نے اپنی پاک زندگیاں صرف کیں اُن مقدس اور پاک بزرگوں نے جو بتایا وہ عقل سے بعید بات نہیں بلکہ رات دن کا ہمارا مشاہدہ ہے ہم دیکھتے ہیں تجربہ کرتے ہیں مگر غور نہیں کرتے۔

مشاہدہ :

اِس سے کون اِنکار کر سکتا ہے کہ اِنسان جس طرح مختلف عناصر کا مجموعہ ہے اِسی طرح اُس کے ذہن اور دماغ کا چھوٹا سا سوٹ کیس یا فائل بکس بہت سی صلاحیتوں کا سیف وخزانہ ہے، ہر ایک صلاحیت اپنے اپنے خانہ میں سجی ہوئی ہے، اِنسان جس چیز کو بڑھانا چاہے بڑھا سکتا ہے، بڑھانے والی چیز پریکٹس ہے (مشق یعنی مسلسل عمل) مشق سے پہلے تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے مگر تعلیم صلاحیت کو بڑھاتی نہیں اُس کو بیدار کرتی ہے اور اُس کا رُخ اور راستہ مقرر کر دیتی ہے۔ ریت اور کنکریوں سے کھیلنے

والا بچہ بڑا ہوا تو وہ طبیب حاذق یا ڈاکٹر تھا، اُس کی فطرت میں ایک صلاحیت تھی تعلیم نے اُس کو بیدار کیا چمکایا اُس کو طبابت اور ڈاکٹری کے راستہ پر لگایا اور رات دن کی مشق اُس کی صلاحیت کو پختہ کر دیتی ہے مرض کی تشخیص کر کے وہ نسخہ تجویز کرتا ہے مریض شفایاب ہوتا ہے اور اُس کا تجربہ بڑھتا ہے اور صلاحیت پختہ ہوتی ہے یہاں تک کہ طبابت اُس کا مزاج بن جاتی ہے۔

رب اور پروردگار کا اِعتراف فطری جوہر ہے تعلیم نے اُس کو روشن کیا پھر تعلیم پر اُس نے عمل کیا تو یادِ خدا اُس کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی اور وہ ایسا ہو گیا کہ دُنیا والے اُس کو دیکھتے ہیں تو اُن کو بھی خدا یاد آجاتا ہے، جلاّد کو جب پہلی مرتبہ قتل کرنے یا پھانسی پر چڑھانے کا حکم دیا گیا تو اُس کو بہت جھجک ہوئی گویا خود اُس کو پھانسی دی جارہی ہے لیکن جب یہ عمل بار بار کیا گیا تو جھجک کے بجائے اُس کو مزا آنے لگا اُس کی طبیعت جلاّد بن گئی اور اَب اُس کی صورت دیکھتے ہیں تو خوف معلوم ہوتا ہے۔

دُنیا کے اِن تمام مقدس بزرگوں نے جن کو نبی کہا جاتا ہے یہی بتایا ہے کہ اِنسان کا کوئی عمل رائیگاں نہیں جاتا وہ اِنسان کی صلاحیت پر اَثر ڈالتا ہے اور اُس کو اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے، اچھے عمل کرنے والا اِنسان اچھا ہو جاتا ہے، برے عمل کرنے والا اِنسان برا بن جاتا ہے، جیسا بوتا ہے ایسا ہی پھل پاتا ہے، ببول کے بیج بو کر اَنگور کے خوشوں کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

گندم اَز گندم بروید جو ز جو　　　　اَز مکافاتِ عمل غافل مشو[۱]

عمل اور رُوح کا رابطہ، ماہرینِ رُوحانیت کا فیصلہ :

ہم شکر گزار ہیں سائنس جدید کے اُس نے مشاہدہ کرادیا [۲] کہ ہماری زبان اور ہمارے ہونٹوں کا عمل فنا نہیں ہوتا یعنی جو الفاظ زبان اور ہونٹوں کی حرکت سے صادر ہوتے ہیں وہ فناء نہیں ہوتے اُن کا وجود قائم رہتا ہے، ٹیلی ویژن نے مشاہدہ کرادیا کہ ہاتھ پاؤں کے عمل اور اُن کی حرکت

---

[۱] ترجمہ : گندم سے گندم پیدا ہوتی ہے جو سے جو، عمل کی مکافات سے غافل نہ ہو۔

[۲] یعنی جس پر اپنے ہی مشاہدوں کے ذریعہ اپنے ہی غلط اَفکار کا بطلان واضح ہو گیا مگر ہٹ دھرمی اِس درجہ کہ حق کو تسلیم کرنے کی توفیق نہ ہوئی بس ایک چپ سادھ رکھی ہے۔ محمود میاں غفرلہٗ

بھی اپنا وجود رکھتی ہے اِس وجود کا عکس بھی پڑتا ہے پس ہمارا یہ خیال یقیناً غلط ہے کہ عمل کا اپنا وجود کچھ نہیں ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ عمل اپنا ایک وجود رکھتا ہے۔

سائنس کا جہل :

محققینِ سائنس یہ نہیں بتا سکے کہ اِس وجود کا تعلق جس طرح فضاء سے ہے آیا ہماری باطنی قوتوں اور ہماری اُس حقیقت سے بھی اِس کا کچھ تعلق ہے جس کو رُوحانیت سے تعبیر کیا جاتا ہے جو موت پر فناء نہیں ہوتی بلکہ ایک نئی زندگی اِختیار کر لیتی ہے ؟ سائنس کے اَصحابِ تحقیق شاید اِس سوال کا جواب آئندہ بھی نہ دے سکیں ! ! کیونکہ رُوح رُوحانیت اور مابعد الموت اُن کا موضوع نہیں ہے اُن کا موضوع وہ مادّہ ہے جو عالَمِ مشاہدہ میں اِس وقت موجود ہے لیکن ہمارا وجدان شہادت دیتا ہے کہ عمل کے وجود کا تعلق ہماری رُوحانیت سے یقیناً ہے اور بہت گہرا تعلق ہے، ہمارا عمل خود ہمارے اَندر کبھی مسرت اور خوشی کی لہر دوڑا دیتا ہے اور ہماری رُوح کو مطمئن کر دیتا ہے اور کبھی ہمارا عمل ہمارے اَندر غم، پریشانی اور اِضطراب و بے چینی کا طوفان بر پا کر دیتا ہے، اگر عمل کا تعلق رُوحانیت اور اُن معنوی قوتوں سے نہیں ہے جو ہمارے اندر موجود ہیں تو پھر اِس اِضطراب و بے چینی یا سکون اور اِطمینان کی وجہ کیا ہے ؟ ؟ اور ایسا کیوں ہوتا ہے کہ کسی عمل پر ہم مسرور اور مطمئن ہو جاتے ہیں اور کسی پر ہم پچھتاتے اور غمگین ہوتے ہیں یہاں تک کہ بیمار پڑ جاتے ہیں۔

رُوحانیت کے وہ ماہر جن کی پیدائش ہی اِس لیے ہوتی ہے کہ وہ رُوحانیت کی باتیں بتائیں چنانچہ شروع ہی سے اُن پر رُوحانیت کا غلبہ یہاں تک رہا کہ کبھی اُن سے رُوحانیت اور سچائی اور اعلیٰ اَخلاق کے خلاف کوئی فعل سرزد نہیں ہوا، جن کی فطری بیداری اور قدرتی فکر و بصیرت کا یہ عالَم رہا کہ کبھی کسی نے کسی کالج یا یونیورسٹی میں تو کیا کسی مکتب اور پرائمری اسکول میں بھی تعلیم نہیں پائی اور اِس کے باوجود اُنہوں نے نوعِ انسان کو وہ سبق دیے کہ اُن کی بنیاد پر اعلیٰ اَخلاق، شریفانہ کردار، اِنسانیت کی فلاح و بہبود اور اَمنِ عالَم کے بنیادی اُصول مرتب کیے گئے جن کو اَقوامِ عالَم نے ضابطۂ حیات بنایا اور دُنیا کے دانشوروں نے اُن سے ہر طرح کے قانون اَخذ کیے، یہ اعلیٰ اَخلاق و کردار کے حامل

رُوحانیت کے اعلیٰ ترین ماہر جن کو ''نبی'' کہا جاتا ہے وہ بہت پہلے سے بلکہ ہمیشہ سے یہی بتاتے رہے ہیں کہ ہر عمل ایک وجود رکھتا ہے اُس کی خاصیتیں ہوتی ہیں اور اُس کے اَثرات ہوتے ہیں جو عمل کرنے والے کی رُوحانیت سے پیوست ہوجاتے ہیں۔

ہمارے وجدان کی شہادت یہ ہے کہ عمل کی طرح ہماری خصلتوں کا بھی وجود ہے اِسی لیے اُن کے اَثرات چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں، رحمدل کا چہرہ اُس کے دردِ دل کی شہادت دیتا ہے، جفا کار اور سنگدل کو آپ اُس کے چہرے سے پہچان لیتے ہیں، اگر وفا اور جفا کا کوئی اپنا وجود نہیں ہے تو چہرے پر یہ آثار کیسے ہیں ؟ اِسی اصول کو اور آگے بڑھایئے بخل اور سخاوت فطرت اِنسان کی دو خصلتیں ہیں یا دو وصف ہیں، اُن کی کچھ خصوصیات ہیں کچھ لوازم و تاثیرات ہیں، ''بخل'' کے لیے حرص، طمع، تنگ نظری، خودغرضی، بزدلی، بے رحمی اور سنگدلی لازمی صفات ہیں جن کے نتیجہ میں ذخیرہ اَندوزی، چور بازاری، رشوت، خیانت اور سود جیسے زہریلے جراثیم پیدا ہوتے ہیں جو عوام کی خوشحالی کو ڈستے ہیں اور اُن میں بے اِطمینانی اور پریشان حالی کا زہر پھیلا دیتے ہیں۔

بخل کے مقابلہ پر ''سخاوت'' ہے جو دل کی بہادری اور حوصلہ کی بلندی چاہتی ہے، طبیعت میں بے نیازی پیدا کرتی ہے، دُوسروں کی ضرورتوں کا اِحساس اُن کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھنا سخاوت اور جود و کرم کی اصل رُوح ہے، یہ رُوح کارفرما ہوتی ہے تو ہمدردی، غمخواری، رحم اور خدمتِ خلق کے جوہر جلوہ گر ہوتے ہیں یعنی اِنسانیت کا جو بن نکھرتا ہے شرافت کا جھنڈا بلند ہوتا ہے میل ملاپ اور محبت کی فضاء ہموار ہوتی ہے، سخاوت اگر کارفرما ہو تو طبقاتی جنگ کی نوبت نہیں آتی کیونکہ دولتمند طبقہ ہمدرد و غمگسار ہوتا ہے اور غریب و نادار اُس کے وفادار اور جاں نثار ہوتے ہیں اور اِس طرح ایک ایسا نظم و ضبط قائم ہوجاتا ہے جو فطرتِ اِنسانی کے عین مطابق ہوتا ہے جو معاشرہ اور سماج کو اِطمینان کی دولت بخشتا ہے جس میں ایک دُوسرے سے نفرت اور بغض نہیں بلکہ محبت اور باہمی اعتماد کی نعمت میسر آتی ہے اور جب محبت اور اعتماد و تعاون کی کلیاں چٹختی ہیں تو معاشرہ اور سماج رواداری اور شریفانہ اَخلاق کا گلدستہ بن جاتا ہے، ہر ایک مذہب اِسی تہذیب کی حمایت کرتا ہے اور یہی تہذیب بہیمیت اور حیوانیت

کو کچلتی ہے اور شرافت و آدمیت کو سربلند کرتی ہے جس سے رب العالمین کی نیابت و خلافت کی صحیح تصویر سامنے آتی ہے اور دُنیائے پُرمحن جنت نشان بن جاتی ہے۔

اَنبیاء علیہم السلام اِس عالَم مشاہدہ (کائنات) کے پس منظر سے بھی واقف ہوتے ہیں اور اُس کا مستقبل بھی اُن کی دقیقہ رس نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے، جماعتِ اَنبیاء کے قائد اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے عمل و کردار اور اُن کی تاثیرات و خصوصیت کے فلسفہ کو سامنے رکھ کر ہمیں آگاہ کیا ہے کہ جس طرح بخل کے نتائج یعنی ذخیرہ اَندوزی، اَفراطِ زر کی ہوس اور سُود وغیرہ اِنسانوں کی خوشحالی کو ڈستے ہیں تو اُس کا اَثر یہی ہوگا کہ وہ سرمایہ جو بخل کا معمل ہے خود ایک اَژدھا بن جائے گا جو صاحبِ دولت کے گلے کا طوق بن کر اُس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیری دولت۔

پچھلے برسوں میں جب چین نے ایک ایٹم بم کا تجربہ کیا تھا تو کروڑوں اَربوں اِنسانوں میں صرف چند ہی اَفراد تھے جن کو یہ مہارت حاصل تھی کہ اُنہوں نے اِس ریڈیائی خاک کو محسوس کرلیا تھا جس کے متعدی اَثرات اِنسان کی ہڈیوں تک پہنچ سکتے ہیں اور اُن میں کینسر پیدا کر سکتے ہیں، ہم نے اُن کی تکذیب نہیں بلکہ اُن کا شکریہ اَدا کیا ! تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ ہم رُوحانیت کے اُن مقدس ماہرین کا شکریہ اَدا کریں جنہوں نے ہمیں بخل کی اِس تاثیر سے آگاہ کیا اور ہمیں متنبہ کر دیا کہ یہ سنہرا رُوپہلا[1] سرمایہ اَژدھا بن جائے گا اگر اِس پر بخل کا عمل ہوتا رہا۔

سرمایہ ختم کیا جائے یا بخل :

اِسلام اِس حقیقت سے آنکھ بند نہیں کرتا کہ دولت صرف ایک معمل یا ایک آلہ ہے، اصل چیز دولت نہیں ہے بلکہ عمل اصل ہے، چشمہ شیریں کے پانی سے آپ لالہ زار کو شاداب کر کے سنبل و ریحان کے تختے اور خیابان بھی تیار کر سکتے ہیں اور خارستان کے خاردار جھاڑیوں کو بھی دھاردار اور نوکیلے بنا سکتے ہیں، نتیجہ کا تعلق آپ کے عمل سے ہے، معمل یعنی چشمہ کے پانی سے نہیں ہے۔ بس اِصلاح یہ نہیں ہے کہ آپ چشمہ کو خشک کر دیں یا اُس کے پانی کو لالہ زار کے بجائے کسی خندق میں بہا دیں، اِصلاح یہ ہے

---

[1] چاندی کا بنا ہوا، مطلب سونے چاندی کا سرمایہ

کہ کانٹوں سے نفرت دلائیں اور گل وغنچہ کی محبت بڑھائیں، اِسلام اِصلاح کی یہی صورت اِختیار کرتا ہے، وہ جو دوسخا کے چمن وگلشن کو اِتنا بڑھاتا ہے کہ خارستانِ بخل ختم ورنہ زیادہ سے زیادہ تنگ ہوجائے، نہ صرف اِسلام بلکہ ایشائی تہذیب کا اُصولی سبق یہی ہے وہ سخاوت اور جودوکرم کو اِنسانیت کا سب سے بہتر جوہر اور بخل کو لعنت اور سراسر لعنت قرار دیتی ہے۔

سخاوت مس عیب را کیمیا ست
سخاوت ہمہ دردہا را دوا ست [۱]
(شیخ سعدیؒ)

سخیاں زا موال برمے خورند
بخیلاں غمِ سیم و زر مے خورند
نیرزد بخیل آن کہ نامش بری
وگر روزگارش کند چاکری [۲]

بخل اور نفع اَندوزی کا مقام اور راستہ :

لیکن قرآنِ حکیم جو خالقِ فطرت کا کلامِ پاک ہے وہ اِسی پر قناعت نہیں کرتا کہ بخل کی مذمت اور سخاوت کی تعریف کردے، وہ جس طرح سخاوت و بخل کی خصوصیات سے واقف ہے وہ اِنسانی نفسیات سے بھی باخبر ہے، صرف منفی پہلو پر اُس کی نظر نہیں رہتی وہ مثبت کے اثبات کو سامنے لاتا ہے اور اُسی کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کی تعلیم دیتا ہے، کوئی تعلیم جس کی بنیاد حقائق پر ہو اِس کو نظر اَنداز نہیں کرسکتی کہ بخل اور ذاتی مفاد کی حرص وطمع اگرچہ قبیح اور قابلِ نفرت ہے مگر اِنسان کی فطرت میں لامحالہ داخل ہے اور اُس کا جزو ہے، اِسی کا تقاضا ہوتا ہے کہ اِنسان سخت سے سخت محنت کرتا ہے اور

---

[۱] ترجمہ : سخاوت عیب دار تانبے کے لیے کیمیا ہے، سخاوت تمام دردوں کی دوا ہے۔

[۲] ترجمہ : سخی اپنے مال سے فائدہ اُٹھاتے ہیں بخیل سونے چاندی کا غم کھاتے ہیں، بخیل آدمی اِس قابل نہیں کہ اُس کا نام لیا جائے اگرچہ سارا زمانہ اُس کا غلام ہوجائے۔

منفعت حاصل کرتا ہے اگر ذاتی مفاد کے حرص کی جڑیں بالکل اُکھاڑ دی جائیں تو محنت و مشقت کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا اور اِنسانیت ترقی کی تمام منزلوں سے محروم ہو جائے گی، جو تعلیم اِنسانی فطرت کی اِس خصوصیت کو نظر اَنداز کر کے حرص اور ذاتی مفاد کے شوق کو جڑ سے اُکھاڑ دیتی ہے اُس کو تعلیمِ فطرت اور اُس دین کو دینِ فطرت نہیں کہا جا سکتا جو اِس طرح کی تعلیم کا معلم ہو، اِسلام ذاتی مفاد کے طبعی شوق کو ختم نہیں کرتا اَلبتہ اُس کو حقیقت پسند بناتا ہے۔ ذاتی مفاد کا شوق دولت کی صرف حفاظت پر ہی آمادہ نہیں کرتا بلکہ اُس کی عمر کو زیادہ سے زیادہ طویل کرنا چاہتا ہے اور اُس کی آخری منشا یہ ہوتی ہے کہ اُس کی دولت ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے وہ ایک لازوال نعمت بن جائے جس کو زمانہ کی کوئی گردش فناء نہ کر سکے۔

قرآنِ حکیم اِسی نقطہ کو سامنے رکھتا ہے اور فناء و بقاء کے فلسفہ کو ذہن نشین کرا کے اِس حقیقت کا یقین پیدا کراتا ہے کہ دولت کا بقاء تجوریوں میں بند کرنے اور زمین دوز خزانوں میں دفن کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ اِس کے بقاء کی صورت یہ ہے کہ اِس پر اِنْفَاقٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہْ کا عمل زیادہ سے زیادہ کیا جائے بینک بیلنس آپ کا کتنا ہی زیادہ ہو اُس کی بقاء اور بچت زیادہ سے زیادہ اُس وقت تک ہے جب تک آپ میں لکھنے پڑھنے یا بولنے چالنے کی طاقت ہے، اِس بچت کو آپ مابعد الموت کی زندگی کے لیے بھی محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اِس کو بینک کے کھاتہ میں نہیں بلکہ اپنے نامۂ اَعمال کے رجسٹر میں مدِ خیر کے کھاتہ میں جمع کرائیے، جو فنڈ تمہاری حفاظت میں ہے اُس کو بقاء نہیں، بقاء اُس کو ہے جو محافظِ حقیقی کی حفاظت اور اُس کی نگرانی میں ہے ﴿مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ﴾[1] ''جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے یہاں ہے وہ باقی ہے وہ دائم و لازوال ہے۔'' یہ ہے فناء میں بقاء کا فلسفہ۔

آپ بینک میں رقم ڈیپازٹ کراتے ہیں کہ رقم محفوظ رہے اور اُس کا اِنٹرسٹ (سود) آپ کو ملتا رہے لیکن یہ ڈیپازٹ رقم آپ کی کب تک ہے ؟ اپنی دانست میں آپ نے بڑی دُور اَندیشی سے کام لیا کہ زندگی کا بیمہ کرا دیا مگر کیا یہ بیمہ قضاء و قدر کے فیصلہ میں کوئی تبدیلی کر سکتا ہے ؟

عدالت نے کسی کو دیوالیہ قرار دے دیا ہے تو وہ کسی وقت دولتمند بھی بن سکتا ہے لیکن جس کو

[1] سُورۃ النحل : ۹۶

قضاء وقدر نے دیوالیہ قرار دے دیا جو دُنیا سے خالی ہاتھ رُخصت ہوا وہ کبھی دولتمند نہیں بن سکتا اَلبتہ اگر آپ نے قرآنِ حکیم کے اُصول پر اپنی زندگی کا بیمہ کرالیا ہے تو اب آپ کی دولت پر کبھی زوال نہیں آسکتا یہ دولت دن بدن بڑھتی رہے گی۔

﴿ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ﴾[1]

''اور جو آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اُس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ۔''

ڈیپازٹ رقم پر آپ کو چار پانچ فیصدی سود ملتا ہے لیکن جو رقم آپ فی سبیل اللہ کے بینک میں جمع کراتے ہیں اُس کے نفع کی کوئی اِنتہاء نہیں ہے، قرآنِ حکیم یہاں بھی فلسفۂ اِرتقاء جاری کرتا ہے قرآنِ حکیم کی وضاحت یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے بینک میں جو رقم جمع کی جاتی ہے اُس کو صرف کھاتہ میں درج نہیں کردیا جاتا بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ اُس کو تخم بنا کر ایک زرخیز کشت زار [2] میں بو بھی دیا جاتا ہے زرخیز زمین میں گیہوں کی ایک نال پر سات بالیں آجاتی ہیں اور ایک ایک بال (خوشہ) میں سو سو دانے ہوتے ہیں، تو ایک دانہ سے سات سو دانے ہوجاتے ہیں یعنی اِنٹرسٹ (نفع) ستر ہزار فیصد ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اِس سے بھی زیادہ بڑھا دیتا ہے (سورۂ بقرہ) لیکن شرط یہ ہے کہ دولتمند جو اِمداد کرے اُس میں خودغرضی کا شائبہ تک نہ ہو یہاں تک کہ اُس کو کبھی زبان پر بھی نہ لائے جس سے غریب اور ضرورت مند کو کمتری کا اِحساس ہو یا کوئی ذہنی اور دماغی کوفت ہو، قرآنِ حکیم نے تنبیہ کردی ہے کہ

''جو شخص اپنا ذاتی مفاد سامنے رکھتا ہے یا اِحسان جتانے کے لیے اُس کو زبان پر لاتا ہے وہ اپنے عمل کو خود برباد کردیتا ہے، اِس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے اُس مٹی میں بیج بودیا جو کسی چٹان پر جم گئی تھی بارانِ رحمت کی بوندیں جو کشت زار میں تخم کو نشوونما بخشتی ہیں اُن کا عمل یہاں یہ ہوتا ہے کہ وہ چٹان کے اُوپر سے مٹی بہادیتی ہیں ساتھ ساتھ یہ بیج بھی بہہ جاتے ہیں اور صرف چٹان سامنے رہ جاتی ہے۔'' (سورۂ بقرہ)

---

[1] سُورہ مزمل : ۲۰ [2] کھیتی، ہرا بھرا کھیت

خلاصہ اور موازنہ :

گفتگو بہت طویل ہوگئی اَب اِس کا خلاصہ ملاحظہ فرمایئے اور دُنیا کے دُوسرے نظاموں اور اِزموں سے موازنہ بھی کیجیے۔

(۱) سرمایہ داری کا دشمن اِسلام بھی ہے، اِس کو سرمایہ داری سے اِنتہائی نفرت ہے وہ اِس کو ختم کرتا ہے اور اِسلام کے اُصول پر جو نظام قائم ہو اُس کا پہلا فرض قرار دیتا ہے کہ وہ سرمایہ داری کو ختم کردے مگر وہ سرمایہ داری کے خاتمہ کو پورے نظامِ حیات کا ایک جزء قرار دیتا ہے، اُس کا یہ تصور نہیں ہے کہ اِنسانی زندگی کی فلاح و بہبود اور اُس کی کامیابی صرف سرمایہ داری کے خاتمہ میں منحصر ہے خواہ وہ کسی صورت سے ہو۔

(۲) اِسلام کو جس طرح سرمایہ داری سے نفرت ہے اِس کو معاشرہ اور سماج کی دُوسری برائیوں سے بھی نفرت ہے، اِسی طرح وہ تخریب اور فتنہ وفساد کو بھی گوارا نہیں کرتا، وہ جس طرح مزدور اور غریب کے حق میں ظلم کو حرام اور ناقابلِ برداشت جرم قرار دیتا ہے اِسی طرح اُن کے حق میں بھی کسی طرح کا ظلم روا نہیں رکھتا جن کو سرمایہ دار یا دولتمند کہا جاتا ہے، وہ ہر ایک کے حق میں عدل اور اِنصاف کو ضروری قرار دیتا ہے۔

(۳) اور ایسے تمام پروگرام اِسلام کی نظر میں ناقابلِ برداشت ہیں جن سے اَمیر اور غریب یا سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان طبقاتی جنگ یا باہمی نفرت پیدا ہو۔

(۴) وہ اِنسانیت کے رشتہ کو سامنے رکھ کر سب سے پہلے دولتمند کے اُن جذبات کو بیدار کرتا ہے جن کو اِنسانیت کی خصوصیات قرار دیا جاتا ہے، دُوسروں کی ضرورت کو محسوس کرنا اور اپنی ضرورت اور کم اَز کم اپنے مفاد پر دُوسرے کی ضرورت کو مقدم رکھنا اِس کو ''اِیثار'' کہا جاتا ہے، حیاتِ اجتماعی کی فلاح و بہبود اور ترقی کے سلسلہ میں ''جذبۂ اِیثار'' بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، اِسلام سب سے پہلے اِس جذبہ کو پیدا کرتا ہے اِس کے آداب ولوازمات کی تعلیم دیتا ہے۔

(۵) اِنسان کو خود اپنی حقیقت نیز حیات بعد الموت اور فناء و بقاء کے فلسفہ کو ذہن نشین کرا کر سرمایہ دار اور دولتمند کو یقین دلاتا ہے کہ غریب اور ضرورت مند کی اِمداد خود اُس کی اپنی اِمداد ہے، ضرورت مند کی اِمداد کر کے یا قومی ضرورتوں میں رقم خرچ کر کے اُس نے اِحسان ضرور کیا ہے مگر اِس کا نفع دُوسروں سے زیادہ خود اُس کو پہنچ رہا ہے، اگر بخل کر رہا ہے تو خود اپنے حق میں بخل کر رہا ہے قرآنِ حکیم کی چند آیتوں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے غور فرمایئے :

''دیکھو (سنتے ہو) تم کو بلایا جا رہا ہے کہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں پھر تم میں سے کچھ ہیں کہ بخل کرتے ہیں (نہیں دیتے) تو یاد رکھو جو بخل کر رہا ہے وہ بخل کر رہا ہے خود اپنے آپ سے، اللہ بے نیاز ہے ضرورت منداور محتاج خود تم ہی ہو۔'' (قومی اور ملی ضرورتیں خود تمہاری ضرورتیں ہیں جن کا مفاد خود تمہیں پہنچے گا خدا کو اِس کی حاجت نہیں)۔ (سورۂ محمد آیت ۳۸)

(۶) بخل، خود غرضی، حرص، طمع، حسد، کینہ اور بغض کا تعلق اگر چہ اَخلاق سے ہے لیکن نظامِ اِقتصادی اور حیاتِ اجتماعی پر اِن کا اَثر دُور رس ہوتا ہے اِسلام اِن سب کو حرام قرار دیتا ہے، یہ علتیں ختم کی جائیں اور اِن کی جگہ وسعتِ نظر، فراخدلی، باہمی تعاون، نوعِ اِنسان کی ہمدردی کے جذبات اِسی طرح اُبھارے جائیں کہ چور بازاری، رشوت، خیانت وغیرہ کے اِنسداد کے لیے قانون کی ضرورت نہ ہو بلکہ خود دولتمند اور صاحبِ اِقتدار کے اندر وہ جذبہ پیدا ہو جو اَفراطِ زر اور ناجائز نفع اَندوزی کی اُمنگ ختم کر دے، اِسلام یہ لائحہ عمل اِختیار کرتا ہے اور اِسی کی تعلیم دیتا ہے۔

(۷) خدا کا تصور اور پاداشِ عمل کا یقین اگر چہ کسی سیاسی یا اِقتصادی نظام کا جزو نہیں بن سکتا لیکن اِس حقیقت سے بھی اِنکار نہیں ہوسکتا کہ اَذعان و یقین کی کیفیت درست اور اُستوار نہ ہو تو قانون کی اِفادیت بھی مکمل نہیں ہوسکتی، اِس لیے اِسلام سب سے پہلے نہاں خانۂ دل کو تصورِ خدا سے منور کرنا ضروری سمجھتا ہے، وہ جرائم پیشہ کہلاتے ہیں جو پولیس کے خوف سے جرم نہیں کرتے اور نفاق برتتے ہیں ظاہر و باطن ہر ایک حالت میں جرائم سے وہ بچتا ہے جو خدا سے ڈرتا ہے، دلوں میں خدا کا خوف ہو،

سیاسی اور اِقتصادی نظام کا رشتہ اعلیٰ اَخلاق سے مربوط ہوتو وہ سماج وجود میں آسکتا ہے جس کے لیے اِنسانیت بے تاب ہے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے۔

اب آپ دُنیا کے دُوسرے نظاموں پر نظر ڈالیے جو رائج الوقت ہیں وہاں اَخلاق کا کوئی سوال نہیں، سماج کی اِصلاح شورِ بے ہنگام ہے۔ دل خوفِ خدا سے خالی، تصورِ خدا سے بغاوت، جہاں اَینٹی گاڈ خلافِ خدا انجمنیں قائم کی جائیں وہاں نتیجہ یہی ہوگا کہ درندگی کا بول بالا ہوگا، اِنسانیت ختم ہوگی اور تقسیم کرنے والے بھیڑیے ہوں گے اگرچہ اُن کی صورتیں اِنسانوں جیسی ہوں گی۔ (معاذ اللہ)

۞ ۞ ۞

بقیہ : درسِ حدیث

اِس حدیث شریف میں عَسٰی اور لَعَلَّكَ اِستعمال ہوئے ہیں اِن کا ترجمہ پسندیدہ کام میں ''اُمید'' کے معنی ملحوظ رکھ کر کرنا چاہیے اور ناپسندیدہ چیزوں میں ''ڈر'' کے معنی ملحوظ رکھ کر۔ رسالت مآب ﷺ کو چونکہ دُنیا سے رُخصت ہونا اور لقاء اللہ پسند تھی اِس لیے یہاں ترجمہ ''اُمید'' سے بھی ہوسکتا ہے۔

(بحوالہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۳ر مئی ۱۹۶۸ء)

۱۱ر شوال المکرّم/ ۱۶ر جولائی سے جامعہ مدنیہ جدید میں نئے تعلیمی سال کے داخلے شروع ہوئے اور کثیر تعداد میں طلباء کی آمد شروع ہوگئی، اِسی روز سے تعلیم کا آغاز ہوگیا، والحمدللہ۔ (اِدارہ)